ششماہی التفسیر کراچی، جلد:۱۱، شمارہ:۱، مسلسل شمارہ:۲۹، جنوری۔جون ۲۰۱۷ء

پاکستان میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش اور معاشرے پر اس کے اثرات

محمد حمید

ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

ABSTRACT

Since the inception of Pakistan,the country is facing an ideological struggle between two opposite thought processes,one based on Islam and the other representing modern secular Western thinking.This has not only divided the country ideologically and politically but has also created two antagonistic classes.Consequently,not only the ideological boundaries of the country have been severely jeopardized but also the national compromised. unity and cohesions have been

This conflict has in one form or the other has impacted the whole society particularly those aspects related to Muslim civilization and culture.We have undertaken this research.exactiy how and wey this.conflic aroce Furthermore, we have tried to analyze these issues particularly with reference to the objectives for the establishment of Pakistan and to understand the complicating issues and problem that have been cropping up due to this conflict and how these issues are undermining or hindering the real objectives of Pakistan and how for the conflict has tarnish these objectives?

.In this study we have tried to analyze causes that resulted in the conflict between Islam and Western thought and analyze those causes in the background of Pakistan movement then further analyze the consequences of the conflict that delineated those objectives that culminated in Pakistan resolution of 23rd March,

1940. In order to avoid lengthy details we have restricted our study to Pakistan's ideological, Political and educational aspects. We have also in the end discussed the role or influence of Pakistani media in shaping or resolving those conflicts and its impact of Pakistani

society .Though this topic warrant a much more detailed comprehensive study. We have tried to ponder over and understand the conflict and the extend of damage. In study the issue has been discussed on the basis of empirical analysis and opinion of few renowned intellectuals and political analysts. We hope that our efforts will help to comprehend the real issue

directions for its resolutioninvolved and point to a positive

.**Key word**: *Media, Ideological,Rresolution,Political analysts. Modern,* Impact, society,

. قیام پاکستان سے لے کر اس وقت تک پاکستان کے تقریباً ہر شعبہ زندگی میں (سیاسی، معاشرتی، علمی اور دیگر) اسلام اور مغربیت کی کشمکش جاری ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں مسلم تہذیب وتمدّن اور معاشرے کے دیگر تمام امور پر اس کے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ لہٰذا ہم اس اہم مسئلے کے بارے میں یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ قیام پاکستان کا مقصد کیا تھا اور پھر پاکستان میں اسلام اور مغربیت کی اس کشمکش کے دوران ان مقاصد کو حاصل کرنے میں کن مسائل اور شواریوں سے گزرنا پڑھ رہا ہے جسکی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوسکے۔ اس مقالہ میں ہم پاکستان میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش اور معاشرے پر اس کے اثرات کا جائزہ لیں گے

برصغیر پاک وہند میں دو بڑی قومیں آباد تھیں، ایک مسلمان اور دوسری ہندو، اور صدیوں سے اکٹھے رہنے کے باوجود ان دونوں قوموں کے تہذیب وتمدّن میں واضح فرق موجود تھا۔ اور حقیقت میں ان دونوں قوموں کے درمیان تہذیب وتمدّن کا فرق ہی تھا۔ جس کی بنیاد پر یہ دونوں قومیں صدیوں تک ایک ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے میں مدغم نہ ہوسکیں۔ اور اس تمدّنی فرق کی بنیاد پر ہی دوقومی نظریہ سامنے آیا اور پھر یہ دوقومی نظریہ ہی برصغیر کی تقسیم کا سبب بنا۔

دوقومی نظریے کے تصور کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقمطراز ہیں "دوقومی نظریہ کا بنیادی تصور اسلام نے پیش کیا۔ مسلم اور غیر مسلم۔ قوموں کی تعمیر افکار سے ہوتی ہے، قرآنی تعلیمات سے جس فکر کی تعمیر ہوتی ہے وہ اس فکر سے

قطعاً مختلف ہے جو قرآنی تعلیمات سے نا آشنا ہو، اسی لئے اسلامی فکر جس قوم کی تشکیل کرتا ہے وہ دوسری اقوام سے مختلف ہوتی ہے۔فکر و خیال کا یہی تضاد و اختلاف دو قومی نظریہ کی معقول بنیاد ہے۔''[1]

ڈاکٹر اسرار احمد قیام پاکستان کی اس جدوجہد کے بارے میں لکھتے ہیں''اس جدوجہد کے آخری زمانے میں جب کہ مسلم لیگ کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنی اس حیثیت کو بالکل واضح اور مبرہن کر دے کہ وہ اسلامیان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور پوری مسلمان قوم یکسوئی کے ساتھ اس کے جھنڈے تلے جمع ہے۔تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ مسلمانان ہند کے دینی جذبات کو اپیل کرتی اور اسلام سے ان کی محبت اور دلی تعلق کو کام میں لاتی۔ چنانچہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں پورا ہندوستان "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الاّ اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا اور اسلامی حکومت، اسلام کے اصول مساوات واخوت، اسلام کا نظام عدل اجتماعی، اسلامی تہذیب وتمدّن اور اسلامی قانون و دستور کی اصطلاحات کا استعمال مسلم لیگ کے رہنماؤں کی تقریروں میں عام ہو گیا۔گویا اس دور میں تحریک مسلم لیگ مسلمانوں کے صرف قومی مفادات کی محافظ ہی نہیں بلکہ دین کے ساتھ ان کی محبت اور اسلام کے ساتھ ان کے قلبی تعلق کا مظہر بھی بن گئی۔ چناں چہ پوری قوم مجتمع ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی اور خود مذہبی طبقات میں سے بھی کچھ لوگ میدان میں نکل آئے۔(یعنی بریلوی مکتبہ فکر کے علماء ومشائخ کی اکثریت اور حلقہ دیو بند سے مولانا شبیر احمد عثمانی اور انکے رفقاءکار)۔[2]

قائداعظم نے لکھنو کے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۷ء میں مسلمانوں کو اپنے جمہوری اور آئینی عمل کی راہ دکھائی۔اس اجلاس میں قائداعظم نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:''انگریزی حکومت کی نگاہ کرم کی طرف دیکھنا چھوڑو۔ کانگرسی قیادت سے کسی انصاف کی توقع نہ کرو۔تم آٹھ کروڑ ہو متحد ہو جاؤ، اپنی تنظیم کرو، خود اعتمادی کرنا سیکھو، مستقبل تمہارا ہے، آخر میں تمہاری فتح ہو گی''[3]

قائداعظم اپنے مقصد کے بارے میں مخلص تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر انکا کامل بھروسہ تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلم عوام کے دل قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت کی تائید کے لئے موڑ دیے۔قائداعظم اپنے اس مقصد سے والہانہ حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی شہرت، اپنا آرام وسکون اپنی عیش وعشرت والی زندگی اپنے اس مقدس مشن کے لئے وقف کر دی تھی۔اور انکے سامنے اس پوری محنت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخروئی حاصل کرنا تھا جیسا کہ ان کے اس ارشاد سے انکے مقصد کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا''مسلمانو! میں نے دنیا میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ دولت شہرت اور عیش وعشرت کے بہت لطف اٹھائے۔اب میری زندگی کی واحد تمنّا یہ ہے کہ

مسلمانوں کو آزاد و سر بلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی۔ اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں آپ سے اس کی داد اور صلہ کا طلبگار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا ایمان اور میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح تم مسلمانوں کی تنظیم، اتحاد اور حمایت کا فرض بجالائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں اسلام کے علم کو بلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔''[۴]

قائداعظمؒ کے مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آتی ہے کہ قائداعظم کی اس جدوجہد کے پیش نظر صرف اور صرف اسلام کے پرچم کو بلند کرنا تھا اور اسکا مقصد بھی صرف اللہ تعالی کی خوشنودی اور سرخروئی حاصل کرنا تھا۔ اور بلاشبہ وہ اس عظیم مقصد میں کامیاب و کامران ہوئے۔ نئی دہلی میں ۲۲- مارچ آل انڈیا مسلم لیگ کی ایگزیکٹو کونسل میں انتخابات کے دوران مسلم لیگ کی کارکردگی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا''ہندوستان میں اسوقت ایک بھی ذی ہوش انسان ایسا نہیں جس کے دل میں آزادی کی تڑپ نہ ہو، اس موضوع پر رائے کا اختلاف ہے مگر اس کا سبب یہ نہیں کہ مسلمانوں میں قوم پرستی کا جذبہ مفقود ہے اس کے اسباب کچھ اور ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں ایک دوسرے میں مدغم ہو جانا ممکن نہیں کیونکہ ان دونوں قوموں کی تہذیب، معاشرت بنیادی طور پر علیحدٰہ علیحدٰہ ہے۔ لیکن دونوں کیلئے یہ مناسب ہے کہ وہ شانہ بشانہ ہو کر آزادی کی منزل مقصود کی طرف پیش قدمی کریں۔''[۵]

قیام پاکستان کا مقصد صرف ایک خطہ زمین حاصل کر کے اس پر حکمرانی کرنا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اسکا اصل مقصد مسلمانوں کے تہذیب و تمدّن کو آنے والی نسلوں تک محفوظ شکل میں منتقل کرنا تھا۔ اس مقصد کی واضح نشاندہی قائداعظم کی تقاریر سے ہوتی ہے۔ اسٹریچی ہال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قائداعظم نے ایک معرکۃ الآ راء تقریر کے دوران فرمایا'' مجھے بحیثیت مسلمان دوسری اقوام کے تمدّن، معاشرت اور تہذیب کا پورا احترام ہے۔ لیکن مجھے اپنے اسلامی کلچر اور تہذیب سے بہت زیادہ محبت ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہماری آنے والی نسلیں اسلامی تمدّن اور فلسفہ سے بالکل بے بہرہ ہوں۔'' اسی تقریر کے دوران مزید اس طرح زور دے کر فرمایا''مسلمانوں کے لئے یہ امر قطعاً نا قابل قبول ہے اور نا قابل برداشت ہے کہ وہ اپنی حیات اور ممات، زبان، تمدّن و تہذیب، ایک ایسی اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں کہ جس کا مذہب، تہذیب و تمدّن ان سے قطعاً مختلف ہے اور جن کا موجودہ سلوک مسلمانوں کے ساتھ نہایت بُرا ہے بلکہ مذموم اور غیر منصفانہ ہے۔''[۶]

مذکورہ بالا سطور میں تحریک پاکستان کے پس منظر، اور پھر تحریک پاکستان کے دوران چند اہم اور چیدہ چیدہ

نکات پیش کیے گئے ہیں۔ کہ کس طرح ان منازل سے گزر کر قیام پاکستان کی راہ ہموار ہوئی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کی بھرپور اور منظّم جدوجہد کے نتیجے میں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ پاکستان کی پہلی کابینہ قائداعظم محمد علی جناح نے نظام مملکت چلانے کے لیے تشکیل دی۔ یہ نوزائیدہ مملکت ابھی ابتدائی مراحل ہی طے کر رہی تھی کہ ۱۱؍ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کا انتقال ہو گیا۔ قائداعظم کا انتقال اس نوزائیدہ مملکت کے لیے ایک عظیم سانحہ تھا۔ اگرچہ تحریک پاکستان میں عوام نے بھرپور طریقے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا لیکن یہ تحریک قائداعظم کی مخلصانہ قیادت ہی کی وجہ سے کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی اور انہوں نے اس مملکت کے نظام حکومت کے تمام مراحل طے کرنا تھے بہر حال انکی موت سے اس مملکت کو بہت بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

قائداعظم کی رحلت کے بعد انکے مخلص ساتھی لیاقت علی خان نے اس ملک کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی اور انہوں نے بھی نوزائیدہ مملکت کے تمام امور و معاملات کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لئے اپنی بھرپور توانائیوں کا استعمال کیا۔ پاکستان کے نظام کو اسلامی خطوط پر چلانے کے لئے ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد پاس کی گئی جس کے بارے میں لیاقت علی خان اس طرح تبصرہ کرتے ہیں۔ ’’قرارداد مقاصد کے نام سے معروف ہونے والی اس قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لیاقت علی خان نے کہا کہ یہ ہمارے ملک کی تاریخ میں خود ملک کے قیام کے بعد دوسرا بڑا واقعہ ہے۔ قرارداد میں وہ بنیادی اصول بیان کیے گئے تھے جن پر پاکستان کے آئندہ آئین کو استوار ہونا تھا۔ قرارداد مقاصد میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے جمہوریت آزادی، مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے گا اور یہ کہ یہاں مسلمانوں کو اپنی زندگیوں کو اسلام کے تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق گزارنے کا موقع فراہم کیا جائیگا۔ قرارداد کے مطابق اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور وہ اپنی ثقافت کو فروغ دینے میں پوری طرح آزاد ہونگے علاوہ ازیں قرارداد میں بنیادی حقوق کے پورے تحفظ کی یقین دہانی کے علاوہ عدلیہ کی آزادی اور وفاقی طرز حکومت کی ضمانت بھی دی گئی تھی۔ قرارداد میں واضح الفاظ میں کہا گیا تھا کہ کائنات کا مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے، یہ کہ اس کی طرف سے پاکستان کے عوام کو ملنے والا اقتدار صرف ایک مقدّس امانت ہے۔ گویا اقتدار اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور پاکستانی عوام کو مقدّس امانت کے طور پر دیا گیا ہے جنہیں اس امانت کا خلوص نیت سے تحفظ کرنا تھا۔ چونکہ مقتدر اعلیٰ خدا تعالیٰ کی ذات ہے اس لئے کوئی ادارہ بھی اس کے بنائے ہوئے قوانین سے انحراف نہیں کر سکتا۔"[۷]

پاکستان میں وقتاً فوقتاً بننے والے تمام دساتیر میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا گیا کہ کوئی بھی قانون اسلام کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو۔ اور تمام دساتیر میں اسلامی دفعات شامل کی گئیں۔ جیسا کہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں درج ذیل دفعات کو شامل دستور کیا گیا۔

الف۔ صدر اسلامی تحقیقات کا ادارہ قائم کرے گا جو مسلم معاشرے کی اسلامی خطوط پر تعمیر نو کرے گا۔

ب۔کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا،موجودہ قوانین کو بھی قرآن وسنت کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

ج۔صدر قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنانے کے لئے ایک کمیشن قائم کرے گا،کمیشن کی رپورٹ پر اسمبلی غور کرنے کے بعد قانون سازی کرے گی۔

د۔ پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان " رکھا گیا۔

س۔اسلامی ملکوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد قرار دیا گیا۔

ص۔قرارداد مقاصد کو 1956ء کے آئین کی تمہید بنایا گیا۔اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار کیا گیا۔سربراہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کو اسلامی اصولوں کے مطابق استعمال کر سکے۔" [۸]

قیامِ پاکستان کے اہم مقاصد میں یہ بات سرفہرست تھی کہ اس نئی مملکت میں مسلم تمدّن کے مطابق اسلامی معاشرے کا قیام تھا۔اگر چہ اہلیان پاکستان انفرادی بھی اور اجتماعی طور پر بھی اسلامی طرز معاشرت کو اپنائے رہے۔اوران کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی پروان چڑھتی رہیں۔اور سرکاری سطح پر بھی اس بات کو نہ صرف بار بار تسلیم کیا جاتا رہا کہ پاکستان میں تمام قوانین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونگے ۔ مذکورہ بالا حقائق کو مدّنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے اس روشن خیال طبقے کو جو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کا مقصد ایک اسلامی مملکت ہرگز نہیں تھا،سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی نے اس بات پر اخلاقاً اور قانوناً بھی مہر تصدیق ثبت کردی کہ پاکستان کے قیام کا اصل مقصد اسلامی مملکت کا قیام ہی تھا۔اس کے بعد ۱۹۶۲ء کے دستور میں اسلامی قوانین کے حوالے سے درج ذیل اقدامات کیے گئے:" ۱۹۶۲ء کے دستور میں ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد کو دستور کے ابتدائیہ کے طور پر شامل کیا گیا۔

(i) صدر مملکت کے لئے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

(ii) ملک میں کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جاسکتا جو قرآن وسنت کے منافی ہو۔

(iii) ایک اسلامی مشاورتی کونسل کا قیام بھی عمل میں لایا گیا جو صدر اور مجالس قانون ساز کو شریعت کے مطابق قانون سازی کے سلسلے میں مشورہ دیتی تھی۔

(iv) اسلامی تحقیقات کا ادارہ قائم کیا گیا۔

(v) پاکستان کے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے مواقع مہیا کیے جائیں گے اور خلاف اسلام

سرگرمیوں مثلاً سود، سٹہ، قحبہ گری کی حوصلہ شکنی کی جائے گی نیز اسلامی ممالک کے ساتھ گہرے روابط پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔" [9]

اس کے بعد ۱۹۷۳ء کے دستور میں اسلامی قوانین کے حوالے سے درج ذیل اقدامات کیے گئے:

(۱) قرارداد مقاصد کو ۱۹۷۳ء کے دستور کی تمہید میں شامل کیا گیا۔

(۲) مملکت پاکستان میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت صرف اللہ تعالی کی تسلیم کی گئی۔

(۳) ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

(۴) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا۔

(۵) صدر پاکستان اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا لازمی قراری دیا گیا۔

(۶) مسلمان کی اس تعریف پر اتفاق کیا گیا۔ کہ کسی شخص کا صرف منہ سے یہ کہہ دینا کہ وہ مسلمان ہے کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے یہ اقرار کرنا ہوگا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مانتا ہے اور وہ کسی ایسے گروہ سے تعلق نہیں رکھتا ہے جو کسی شخص کو نبی یا نبوت کا دعوی کرنے والے کو مجدد مانتا ہو۔

(۷) موجودہ تمام قوانین کو قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور آئندہ کوئی ایسا قانون پاس نہیں کیا جائے گا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

(۸) حکومت اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے کوشش کرے گی۔

(۹) اسلامی نظریہ حیات کے فروغ کے لئے قرآن وسنت کی تعلیم کو عام کیا جائے گا۔

(۱۰) اس دستور میں اسلامی فلاحی ریاست کی طرف بڑھنے کے لئے جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں پر مبنی نظام قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱۱) اسلامی نظریہ کو اساس پاکستان قرار دیا گیا۔

(۱۲) ۱۹۷۳ء کے آئین میں قرآن پاک کی صحیح طباعت حکومت کی ذمہ داری قرار دیا گیا۔

(۱۳) عربی زبان کی تعلیم کے فروغ کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولیتں بہم پہنچائی جائیں گی۔

(۱۴) اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کی گئی۔" [10]

مذکورہ بالا سطور میں تحریک پاکستان کے پس منظر سے لے قیام پاکستان تک اور پھر قیام پاکستان کے بعد بھی عملاً دساتیری اور قانونی حد تک یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ پاکستان کے قیام کا مقصد خالصتاً نظریاتی بنیاد پر تھا۔ اور اس کے نظام معاشرت سے لے کر نظام حکومت تک کے تمام معاملات اس نظریے کے مطابق ہی سرانجام دیے جانے

چاہئے تھے لیکن جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ پاکستان میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش کا روپ دے کر اس مملکت خداداد کو اس کے اصل مقصد سے دور کرنے کی ہر دور میں مسلسل کوششیں ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں۔

اس وقت پاکستان میں کچھ اسلام بیزار قوتیں یہ تاثر پھیلا کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ قائد اعظم پاکستان میں سیکولر نظام مملکت قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ قائداعظم کے اس اقتباس سے سبق حاصل کریں جس میں انہوں نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں اپنا موقف پیش فرمایا کہ وہ پاکستان میں کون سا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ قائداعظم نے فرمایا ''مسلمانوں کے پاس مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآن ہے'' آپ نے فرمایا'' ہماری نجات قرآنی تعلیم میں ہے'' مسلمانوں کے لئے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے پاس تو تیرہ سو برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک میں ہماری اقتصادی، تمدّنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اسی قانون الہیہ پر ایمان ہے اور میں جس آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلام الٰہی کی تعمیل ہے۔ قرآن پاک ہمیں تین چیزوں کی ہدایت کرتا ہے، آزادی، مساوات اور اخوت۔ بحیثیت ایک مسلمان کے میں بھی انہی تین چیزوں کے حصول کا متمنّی ہوں۔ تعلیم قرآنی میں ہماری نجات ہے اور اسی کے ذریعے ہم ترقی کے مدارج طے کر سکتے ہیں۔"[11]

پاکستان کے کچھ نام نہاد مفکرین، دانشور اور کچھ مغرب نواز قوتیں شروع دن سے ہی اس تگ و دو میں ہیں کہ کسی طرح پاکستان میں مذہب کو ثانوی حیثیت دی جا سکے۔ اور جس نظریے کی بنیاد پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا اس کو یہاں پر پنپنے کا موقع نہ مل سکے۔ حالاں کہ یہ بات قائداعظم کے ہزاروں اقتباسات سے، ان کی تقاریر سے اور ان کے جملہ اقدامات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان کے قیام کی بنیاد ہی مذہب پر تھی۔ "جب دوقومی نظریے کی بنیاد مذہب تھا تو اس پر مبنی تحریک پاکستان کے مقاصد سے مذہب کے عنصر کو کس طرح خارج کیا جا سکتا ہے۔ قائداعظم کے بنیادی سلوگن کی بنیاد یہ دعویٰ تھا کہ چوں کہ ہم مسلمان ہیں اور اپنا الگ ضابطہ حیات رکھتے ہیں اس لیے ہمیں ایک اقلیت قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ہمیں ایک قوم کا درجہ دیا جانا چاہئے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ قائداعظم نے تحریک پاکستان کے دوران متعدد مواقع پر کہا کہ ہم نئے ملک کی تعمیر اور دستور سازی میں قرآن اور اسلام سے رہنمائی لیں گے۔"[12]

پاکستانی عوام کو اور حکمرانوں کو اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ پاکستان کی بقاء کا دارومدار اسکے نظریاتی تحفظ میں ہے۔ لہٰذا جو لوگ مختلف حربوں سے اس کی نظریاتی سرحدوں میں دراڑیں ڈال رہے ہیں وہ دراصل ملکی بقاء کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ نظریہ ہی ہے جو اس کی حفاظت اور بقاء کا ضامن ہے۔ "پاکستان محض کسی جغرافیائی وجود کا نام نہیں۔ یہ اسلامی نظریہ حیات (Islamic Ideology) کا مظہر اور مسکن ہے۔ اس ملک کو

وجود میں لانے کا محرک یہی اسلامی نظریہ تھا۔ اور یہی اسکی بقاء اور وجود کا بھی ضامن ہے۔ اب یہاں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ اسلامی آئیڈیالوجی یا اسلامی نظریہ حیات کیا ہے۔ "اسلامی نظریہ حیات سے مراد وہ سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی لائحہ عمل ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔"[۱۳]

موجودہ دور میں تعلیم ایک بہت بڑے ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ تعلیم کے ذریعے ہی ذہن تبدیل کیا جاتا ہے اور جب قوم کے قلوب واذہان پر قبضہ ہو جائے تو پھر اس قوم کو آسانی محکوم بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی واضح مثال پاکستان کا وہ تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو جدید تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد اسلام سے دور رہ کر اپنے آپکو روشن خیال تصور کرتا ہے۔ کیونکہ مغربی اقوام نے یہاں پر اپنی حکمرانی کے دوران یہاں کے تعلیمی نصاب کو دینی اور دنیاوی دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا جس کی وجہ سے ابتداء ہی سے ایسے ذہن تیار ہونے لگے جو اسلامی تعلیم سے دور تھے اور پھر ہماری حکومتوں نے یہاں پر اعلیٰ تعلیم کے لیے اس طرح کے ذرائع بہم نہیں پہنچائے جو مغرب میں موجود ہیں اس طرح ہمارا نوجوان طبقہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے جب مغرب کے تعلیمی اداروں میں گیا تو ان کا ہی ہو کر رہ گیا اور اگر واپس آیا بھی تو ذہن ودماغ وہاں کا لے کر آیا اس طرح تعلیم کا یہ ہتھیار مغرب نے بڑی ہوشیاری سے استعمال کیا اور ہمارے مفکرین، دانشور اور حکمران دیکھتے ہی رہ گے بلکہ یہ بھی انکے رنگ میں رنگتے چلے گے۔ اور مغربی اقوام کو ایسے ہی مسلمانوں کی ضرورت ہے جو اگر چہ نام مسلمانوں والے رکھتے ہوں اپنے گھر میں جو مرضی عبادات بھی کرتے ہوں لیکن تہذیب وتمدّن کے لحاظ سے مسلم تمدّن کے بجائے مغربی تمدّن کو اپنائیں۔ اور پاکستان کا اعلیٰ طبقہ چونکہ عیش پرستی اور روشن خیالی کا دلدادہ ہو چکا تھا اور مزید تعلیمی افکار و خیالات نے ان کو آسانی اپنا گرویدہ بنالیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی اقوام نے مسلمانوں کی اچھی باتوں کو اپنا کر ترقی کی راہ اختیار کر لی اور مسلمان ان کی برائیوں کو اپنا کر تنزلی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔

علامہ اقبال جو مغرب اور مشرق کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور پھر اپنے اسی علمی تجربے کی بنیاد پر انہوں نے قدم قدم پر مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور مفکر اسلام اور مفکر پاکستان کے عظیم القابات کے حق دار ٹھہرے وہ مغربی نظام تعلیم کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اسکی خودی کو — ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب — سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے ایک ڈھیر [۱۴]

اس کے علاوہ ان ممالک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات واپس پاکستان میں آتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ تعلیم کے ساتھ ساتھ وہاں کی تہذیب وثقافت سے بھی متاثر ہو کر آتے ہیں۔ اور انہیں یہاں کی تہذیب وثقافت اچھی نہیں لگتی اور انہیں مسلم تہذیب وتمدّن سے متعلقہ معمولات پسماندہ محسوس ہوتے ہیں۔ مسلم تمدّن جو

اسلامی اقدار کا آئینہ دار ہے اس سے ان کو نفرت ہو جاتی ہے۔ایسی تعلیم اور اس کے نتائج کے بارے میں علامہ اقبال اسطرح رقمطراز ہیں:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ ۱۵

اس طرح مادر پدر آزاد تہذیب وتمدّن کے یہ لوگ پروردہ ثابت ہوتے ہیں اور ہمارے یہ نوجوان جواب اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر آتے ہیں یہ ان ممالک کے بہترین سفیر بھی بن جاتے ہیں۔ چونکہ مغربی ممالک سے تعلیم یافتہ ہونے کی بناء پر ان کو پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونا قدر آسان ہوتا ہے اور پھر یہی حضرات پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر سرکاری محکموں،اہم اداروں اور حکومتی پالیسیوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور اپنے زیر اثر حلقے میں اسی تہذیب وتمدّن کا پرچار کرتے ہیں جس سے یہ استفادہ کر کے آتے ہیں اور اس طرح یہ لوگ اپنے تہذیب وتمدن اور اسلامی روایات سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے نہ صرف مسلم تہذیب وتمدّن سے منحرف ہوتے ہیں بلکہ یہ مسلم تمدّن پر ہمیشہ تنقید کرتے ہیں اور مسلم تہذیب وتمدّن سے وابستہ لوگوں کو یہ پسماندہ اور جاہل تصور کرتے ہیں۔ اور ان لوکوں کی اکثریت کے دماغوں میں اسلام سے متعلقہ ہر چیز کے بارے میں بدگمانی اور مایوسی چھائی ہوتی ہے بلکہ یہ قرآن وسنت کی تعلیمات کو بھی شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح ان اسکالرشپ سے استفادہ کے ذریعے ہماری نئی نسل پاکستان سے وفاداری کے بجائے ان ممالک کی وفادار ہوتی ہے اور ان کا نمک کا حق اس طرح ادا کرتے ہیں کہ انکے تہذیب وتمدن کی نمائندگی کرتے ہیں۔اور اس طرح ان میں سے اکثر لوگ مسلم تہذیب وتمدّن کے زوال میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں ''پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ لوگوں کو دیکھئے جو کسی بھی اجتماعیت کا اصل قوام ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بنیادی اعتقادات سے ان کے قلوب واذہان یکسر خالی ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی ایک بہت بڑی اکثریت مغرب کے مادہ پرستانہ الحاد کے نظریات وافکار پر پورا ایمان رکھتی ہے۔ان میں سے جو جتنا ذہین ہے اتنا ہی مغربی فلسفہ وفکر سے متاثر ہے اور جو ذرا جری بھی ہے وہ اس کے برملا اعلان اور کھلم کھلا اعتراف میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا! پھر چونکہ ان ہی میں سے ملک کی پوری انتظامی مشینری کے کُل پرُزے نکلتے ہیں اور انکے نسبتاً ذہین تر افراد ہی سے ملک کے تمام فوجی وسول محکموں کا اصل تانا بانا بنتا ہے،لہذا فطری طور پر سروسز کا پورا ماحول (الا ماشآ اللہ) مغربی افکار ونظریات اور مادہ پرستانہ وملحدانہ تہذیب وثقافت سے تیار ہوا ہے اور فطری طور پر ان میں سے زیادہ جری اور نسبتاً" تناقص ونفاق" سے آزاد لوگ اسی ثقافت کی پورے ملک میں ترویج واشاعت کی کھلم کھلا کوشش

میں بھی مصروف ہیں"۔[16]

جو لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سارے پاکستانی اسکالرشپ سے استفادہ کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف مناصب پر فائز ہوئے ہیں۔ اور مغرب کی اعلیٰ درسگاؤں سے تعلیم حاصل کر کے واپس آئے ہیں، ان کا کام تھا کہ جس طرح اہل مغرب مختلف سائنسی تحقیقات کے ذریعے روزانہ نئے نئے نظریات متعارف کرا رہے ہیں۔ ہمارے یہ سائنسدان اور مفکرین بھی ان کے مقابلے میں اپنی سائنسی ایجادات اور نظریات کے ذریعے ان کا مقابلہ کرتے اور یہ ثابت کرتے کہ ہم نے بھی انہی تعلیمی اداروں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور یہ انکا مقابلہ علمی وفکری میدان میں کرتے۔ اس کے بجائے یہ اسلامی تعلیمات پر کاربند لوگوں کو تنقید کا نشانہ بنا کر ہی اپنی تعلیمی قابلیت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ پروفیسر احمد رفیق اختر ایسے افراد کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں "آج ہونا یہ چاہئے تھا کہ اگر مغرب سے یلغار آ رہی تھی اور نئے نئے نظریات سامنے آ رہے تھے تو ہمارے دانشور اور سائنسدان سامنے آتے اور اُنکے مقابلے میں اپنے خیال اور ذہن سے ان کے خیالات اور تصورات کا رد کرتے لیکن ہمارے ہارورڈ اور کیمبرج سے پڑھے ہوئے سائنسدان جب واپس آتے ہیں تو ان میں اسلام کا نام باقی ہوتا ہے، اثرات سیکولر لے کر آتے ہیں اور پھر اس بات کا گلہ کرتے ہیں کہ اسلام نے سائنسدان پیدا ہی نہیں کیے اور یہ گلہ بھی زیادہ تر وہی کرتے ہیں جو ان یونیورسٹیز سے پڑھ کر آئے ہیں۔ اس طرح اسلام پر اعتراض کرنے والے وہ دانشور ہیں جو ان درسگاہوں میں گئے تو واپس آ کر اُنکا نام کسی کتاب میں درج نہیں ہوا۔ ہمیں انکی دانشورانہ تحقیق نظر نہیں آئی لیکن اسلام پر انکی زبان ضرور دراز نظر آتی ہے۔ یہ لمحہ فکریہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مغلوب نظریات تحلیل ہو جایا کرتے ہیں۔ کمزور ذہن مضبوط ذہن کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ جو تخیل کا سراب مغرب نے پیدا کر دیا ہے وہ بڑا پُرکشش ہے۔ نظر کو خیرہ کر دیتی ہے چمک تہذیب حاضر کی یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔ "[17]

پاکستان کے سیاسی نظام پر بھی اسلام اور مغربیت کی کشمکش سے گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی قائداعظمؒ اور قائد ملت لیاقت علی خان کی رحلت سے پاکستان نہ صرف مخلص قیادت سے محروم ہو گیا۔ بلکہ پاکستان کی سیاسی قیادت میں ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہو گیا۔ اور ملک پر ایسی سیاسی قیادت کا عمل دخل بڑھ گیا جو یا تو مفاد پرستانہ سوچ کی حامل تھی یا پھر مغربی افکار سے متاثر، جس کی وجہ سے قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی ملک کے سیاسی نظام میں مفاد پرستی اور مغربیت سے متاثر افراد کے عمل دخل بڑھنا شروع ہو گیا۔ جس کی وجہ سے پاکستانی سیاست سے عوام کی عملاً بے دخلی ہو گئی اور اقتدار پر خودغرض اور مفاد پرست افراد کا قابض ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تحریک پاکستان کے

دوران قوم کو قائداعظمؒ کی شکل میں مخلص اور دیانتدار قیادت میسر تھی جسکی وجہ اس وقت دو مضبوط قوتوں ہندوؤں اور انگریزوں کے مقابلے میں کامیابی نصیب ہوئی لیکن اس کے بعد سیاسی سطح پر ایسی قیادتیں سامنے آئیں کہ جنہوں نے ذاتی مفادات کو قومی مفاد پر ترجیح دی جسکے بھیانک نتائج کہیں ملک کے دولخت ہونے کی شکل میں اور کہیں مسلم تمدّن کے زوال کی شکل میں سامنے آئے۔ اور پاکستانی معاشرہ ایک بیمار معاشرے کا منظر پیش کرنے لگا۔ اور جو اسکے سیاسی معالجین تھے اور جن کے ذمہ اس ملک کی خرابیوں کو دور کرنا تھا وہی دراصل ان خرابیوں کے ذمے دار ٹھہرے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی پاکستان میں ان خرابیوں کی بنیادی وجہ کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں، ہر ملّت کی صحت مندی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے معاشرے کو مریض نہ ہونے دے۔ معاشرے میں خرابیاں اس طرح پیدا ہوتی ہیں کہ وہ کسی نظریہ حیات کا پابند نہ ہو اور اپنی خود غرضیوں یا تن آسانی کی وجہ سے ضابطہء اخلاق کو پامال کرے۔ ادنی تامل سے ظاہر ہو جائے گا کہ اسوقت ہمارے معاشرے میں جتنی خرابیاں ہیں وہ سب اسلام سے علی الاعلان یا خفیہ رُوگردانی کے سبب پیدا ہوئی ہیں۔ اب کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ ان اشخاص کے علاوہ جو اسلام کو طعن و تشنیع کا ہدف بناتے ہیں اور جو اسکی تعلیمات کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے، ایسے افراد کی کثرت ہے جو اسلام کا نام تو لیتے ہیں لیکن جہاں ان کی خود غرضی اسلام کے ضابطہء اخلاق سے متصادم ہوتی ہے، وہاں وہ اپنی غرض کے لئے خواہ اس کے تقاضے معاشرے کے حق میں زہر ہلاہل ہی کا حکم رکھتے ہوں، معاشرے کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے باز نہیں آتے۔

؎ گلہء جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے　　　کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری "۱۸"

پاکستان کا قیام چوں کہ اسلامی نظریہ کے بنیاد پر عمل میں آیا تھا۔ لہٰذا یہاں کے تمام معاملات بشمول سیاست بھی اسلامی احکام کے تابع ہونی چاہئے تھی لیکن جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا ہے۔ کہ جو لوگ اقتدار پر قابض ہوئے وہ بذات خود یا تو ذاتی مفاد کی خاطر یا پھر مغرب نوازی کی وجہ سے پاکستان کی نظریاتی حدود کی پاسداری کرنے سے قاصر رہے۔ حالانکہ دین اسلام میں سیاست کوئی شجرِ ممنوع نہیں ہے بلکہ اسلام تو سیاست کے تمام اصول وضوابط اس طرح سکھاتا ہے کہ سیاست بھی عبادت کے درجے میں شامل ہو جاتی ہے اور اگر دین وسیاست کو ایکدوسرے سے جدا کر دیا جائے۔

تو پھر بقول علامہ اقبالؒ :　؎ جدا ہو دین سیاست سے رہ جاتی ہے چنگیزی

علامہ ابن خلدون دین اور سیاست کے تعلق کو اس طرح واضح کرتے ہیں۔ دین احکام شریعت کے ساتھ ساتھ سیاست بھی سکھاتا ہے۔ اس لئے شریعت لوگوں کو زندگی کے تمام گوشوں میں دین پر ابھارتی ہے، خواہ اعتقادات کی زندگی ہو یا عبادات کی یا معاملات کی حتی کہ وہ سیاست کو بھی جو انسانی معاشرے کے لئے ایک طبعی چیز ہے دینی سانچوں میں ڈھالتی ہے۔ لہٰذا دین نہ صرف اعتقادات، عبادات اور معاملات ہی سے تعرض کرتا ہے بلکہ سیاست بھی سکھاتا ہے۔ اور

انبیائے کرام علیہم السلام نے دین میں سیاسی قوانین بھی پیش نظر رکھے ہیں تاکہ شارع کی نگاہ میں دین و دنیا کی ساری چیزیں محفوظ رہیں اور اللہ کی تمام مخلوق انبیاء کی تابعدار بن کر اپنی دونوں زندگیاں سنوارے۔''[۱۹]

پاکستان کے معاشرتی زوال میں جو عوامل کارفرما رہے ہیں ان میں ایک بنیادی سبب اُن نظریات سے انحراف ہے جن کی بنیاد پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ پاکستان کی فکری، ثقافتی اور تہذیبی سرحدوں کی حفاظت سے سیاسی سطح پر غفلت برتی گئی۔ پاکستان کے قیام کے وقت جس طرح تمدّنی، فکری اور ثقافتی حوالے سے اسلامی نظریے کا پرچار کیا گیا تھا اور اسی نظریے کو تحریک پاکستان کا موٹو بنایا گیا تھا، قیام پاکستان کے بعد اس سے عملاً انحراف کیا گیا اور اسکا تحفظ نہیں کیا گیا جسکی وجہ سے پاکستان میں نہ صرف معاشرتی سطح پر مطلوبہ ثمرات حاصل نہ ہو سکے بلکہ تہذیب و تمدّن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ پاکستان میں اس انحراف کے حوالے سے سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں" بہرحال پاکستان کا اپنے بنیادی مقاصد سے انحراف اور عصر حاضر کی دوسری نامذہبی (Secular) اور تجدّد پسند (Modernist) حکومتوں کی تقلید تاریخ جدید کا ایک عظیم سانحہ ہوگا اور ان کروڑوں افراد کے ساتھ بیوفائی، جنہوں نے اس اسلامی معمل اور تجربہ گاہ کے قیام کے لیے شدید ترین تکالیف برداشت کیں اور عظیم قربانی پیش کی۔ اس سے بڑھ کر اس کا نقصان یہ ہوگا کہ یہ طرزِ عمل ہمیشہ کے لیے اس امنگ اور آرزو کو سرد کردے گا اور اس تجربہ کی کامیابی کے امکان کو اگر ختم نہیں تو نہایت بعید بنادے گا اور بے لاگ تاریخ اور انسانی تجربہ اس کی اجازت بھی نہیں دے گا کہ پھر اسکا نام لیا جائے۔''[۲۰]

پاکستان کی اس نازک اخلاقی ذمہ داری کو پروفیسر اسمتھ نے بڑے اچھے انداز سے بیان کیا ہے، وہ اپنی کتاب "Pakistan in ModernHistory" میں لکھتے ہیں۔'' شاید پاکستانی کسی وقت یہ خیال کریں کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر کا کام ان کے ابتدائی اندازہ سے کہیں زیادہ دشوار طلب ہے لیکن سوچا جائے تو اب ان کے لئے کوئی راہ مفر باقی نہیں، ان کے وعدے اور دعوے اتنے بلند بانگ اور واضح تھے کہ ان کی تکمیل سے گریز ناممکن ہوگیا ہے، ان کی تاریخ اب "تاریخ اسلام" ہوگی، ان کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری آن پڑی ہے، اب خواہ وہ اسے پسند کریں یا اس پر نادم ہوں، بہرحال وہ "اسلامی ریاست" کے تصور کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ اسے زیادہ دیر سرد خانہ ہی کی نذر کر سکتے ہیں، کیونکہ اس وقت اسلامی ریاست کے نظریہ کو ختم کرنے کا فیصلہ محض طریق کار کی تبدیلی کا فیصلہ ہی نہیں ہوگا، یہ تو گویا اپنے دین اور وطن کی اساس پر کلہاڑا چلانے کے مترادف ہوگا اور تمام دنیا اس گریز سے یہی مطلب اخذ کرے گی کہ اسلامی ریاست کا نظریہ لایعنی اور اس کا نعرہ محض فریب نظر تھا، حیات جدید کے تقاضوں سے نپٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا یہ کہ پاکستانی بحیثیت ایک قوم کے اسے اپنی قومی زندگی پر نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس صورت میں دنیا کے نزدیک خود مسلمانوں کے معتقدات ایمانی ہی مشکوک اور قابل تنقید ٹھہریں گے۔''[۲۱]

پاکستان میں اس وقت ہماری تہذیب وتمدّن بیرونی یلغاروں کی زد میں ہے اور بیرونی حملے کہیں ترقی کے نام پر، کہیں جدیدیت کے نام پر اور کہیں روشن خیالی کے نام پر ہو رہے ہیں۔لیکن تاریخی حقیقت سے یہ ثابت ہے کہ مسلم تہذیب وتمدّن کی یہ شان ہے کہ اس نے دوسری تہذیبوں کو اپنے اندر ضم کیا ہے لیکن یہ کسی تہذیب میں ضم نہیں ہوا بلکہ اس کی انفرادیت ہر دور میں نہ صرف بحال رہی ہے بلکہ مسلسل بڑھتی رہی ہے۔اسلامی انفرادیت ہی دراصل پاکستان کے نظریے کی بنیاد ہے۔لہٰذا اس وقت ہمیں اپنی تمام شعوری کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان بیرونی یلغاروں سے اس نظریاتی مملکت میں مسلم تمدّن کو محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔

نظریاتی تحفظ کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں ''کہ جب ماحول ناسازگار ہو تو بقائے انفرادیت کے لئے شعوری تدابیر اختیار کرنی لازمی ہوتی ہیں اور غیر مانوس اثرات سے سمِ قاتل کی طرح پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ورنہ اپنی ثقافت کمزور پڑھ جاتی ہے۔اپنا عقیدہ ضعیف ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ایک منفرد ملّت کی حیثیت سے زندگی کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ہم نے پاکستان کے قیام سے قبل اس پرہیز کو جاری رکھا تو پاکستان بنالیا۔اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اسوقت جو ہمیں ثقافتی بدہضمی کا مرض لاحق ہے وہ کن بد پرہیزیوں کا نتیجہ ہے۔کسی ملک کی آزادی کو قائم رکھنے کے دفاعی سرحدی چوکیوں پر تو پہرے بٹھانے ہی پڑتے ہیں، لیکن نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی اتنی ہی ضروری ہوتی ہے۔آج ہم نے ان سرحدوں پر نہ صرف یہ کہ خبرداری کو خیر باد کہہ دیا ہے بلکہ دشمنوں کی یلغار میں خود بھی شریک ہو گئے ہیں۔''[۲۲]

اب ہم پاکستانی میڈیا میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش سے معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔اسلام میں اظہار کی آزادی محض ایک انسانی حق ہی نہیں بلکہ امّت مسلمہ اور ذرائع ابلاغ کا ایک دینی اور اخلاقی فرض ہے۔البتہ اسلام میں ذرائع ابلاغ کو تعمیر معاشرہ اور تعمیر کردار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لئے آزادی اظہار کے نام پر دوسرے انسانوں کی دل آزاری سے منع کیا گیا ہے۔اور اظہار رائے کی آزادی کے ساتھ اخلاقیات کے اصولوں کو بھی مدّنظر رکھا جاتا ہے۔اسلام میں فحاشی اور عریانی پھیلانے کے بارے میں ارشاد ربّانی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہ [۲۳] ترجمہ ''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اس دور میں میڈیا ملک کی سماجی، ثقافتی، اور معاشرتی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔کسی بھی معاشرے کا ارتقاء مستحکم بنیادوں پر اسی وقت ممکن ہے جب اس کے ذرائع ابلاغ مضبوط اور مستحکم ہوں، اسی لیے اس کو ریاست کا چوتھا ستون بھی کہا

جاتا ہے۔معاشرے میں ذرائع ابلاغ کا کردار جتنا مضبوط اور موثر ہوگا،معاشرہ اتنی ہی تیزی سے ترقی کی منازل طے کرے گا۔ذرائع ابلاغ سے معاشرے کی فکری،نظریاتی،سیاسی اور معاشی بنیادیں قائم ہوتی ہیں۔لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کی اپنی بنیاد درست ہو۔دنیا میں ہر قوم کا ایک مخصوص فلسفہ حیات ہوتا ہے اس کی بنیاد پر وہ اپنی زندگی گزارتی ہے۔اور اس مخصوص فلسفہ حیات کی بنیاد پر ہی ایک مثالی معاشرے کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔ایک ایسی قوم جو اپنی فلسفہ حیات سے ہی غافل ہو وہ کس طرح ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکتی ہے۔''ثقافتی اور فکری مداخلت اندر سے ہوتی ہے۔چناں چہ جو قومیں اپنی ثقافت اور فکر کے مقابلے میں دوسری قوموں سے متاثر ہوتی ہیں وہ اپنے تشخص سے محروم ہو جایا کرتی ہیں۔''۲۴

پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی بجائے مسلم تہذیب وتمدّن کے احیاء کا ذریعہ بننے کے ثقافت کے نام پر کثافت پھیلانے کا ذریعہ بن رہی ہے۔اس وقت دشمن قوتیں اپنی کثافت باطنی کو پھیلانے میں پوری طرح مصروف عمل ہیں اور غیر ملکی میڈیا غیر اخلاقی عادات اور ناشائستہ افعال کو ثقافت کے نام پر پھیلا رہا ہے۔اور سب سے افسوسناک امر یہ ہے کہ پاکستانی میڈیا کے مختلف نجی چینل بھی اس دوڑ میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔اور کہیں پر ویلنٹائن ڈے اور کہیں پر ہولی اور بسنت جیسے تہواروں کا احیاء کر کے پاکستان جیسے مسلم معاشرے کے تہذیب وتمدّن کو برباد کیا جا رہا ہے۔اور یہ سب خرافات شرم وحیا کو ختم کر کے غیر مہذب اقدار کو فروغ دینے کا سبب بن رہی ہیں۔اور اس سے نہ صرف اسلامی اخلاقی اقدار مجروح ہو رہی ہیں بلکہ یہ سرگرمیاں انسان کو دائرہ انسانیت سے دائرہ حیوانیت کی طرف گامزن کرنے کا ذریعہ بن رہی ہیں جہاں پر نہ رشتوں کا تقدس باقی رہے اور نہ مذہبی اقدار کا تحفظ ہو سکے۔جیسا کہ ڈاکٹر مبارک علی جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔''ترقی شدہ معاشروں میں ٹیکنالوجی انہیں آگے بڑھاتی ہے۔اول تو جب ترقی پذیر یا ترقی شدہ معاشرے جب ٹیکنالوجی میں اضافہ کرتے ہیں اور نئی ایجادات کرتے ہیں تو یہ انکی ترقی میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ان کے مقابلے میں جو معاشرے ان کی ایجادات میں حصہ نہیں لیتے اور انہیں محض اختیار کرتے ہیں۔تو ان کا استعمال بھی وہ اپنے پس ماندہ ذہن کیساتھ کرتے ہیں۔جیسے ہمارے ہاں کمپیوٹر یا انٹرنیٹ کا استعمال علم کے حصول کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ان کو یا تو تفریح کا ذریعہ بنایا جاتا ہے،یا ان کے ذریعے جرائم میں حصہ لیا جاتا ہے۔''۲۵

میڈیا کسی بھی تہذیب وتمدّن کے عروج وزوال کا اہم کردار ہوتا ہے۔موجودہ دور میڈیا کا دور ہے،موجودہ دور ایک لحاظ سے تہذیب وثقافت کی جنگ کا دور ہے اور تہذیب وثقافت کی اس جنگ کا دارومدار میڈیا پر ہے اور میڈیا اس جنگ کا سب سے بڑا اور موثر ہتھیار ہے،میڈیا کے ذریعے سے ہر پیغام چند لمحات میں دنیا کے کونے کونے میں پھیل جاتا ہے۔پاکستان میں مسلم تہذیب وتمدّن میں ہم جب میڈیا کا کردار دیکھتے ہیں تو سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہ

وتا۔اس وقت جس تہذیب کا میڈیا طاقتور ہے وہ دوسری اقوام پر اپنے مذہب اور ثقافت کو اور اپنی طرز معاشرت کو مسلط کر سکتا ہے۔ پاکستان میں یہ جنگ بھارت اور مغربی میڈیا بڑی مہارت سے لڑ رہے ہیں۔آج ہمارے معاشرے میں تمام مارکیٹوں میں پھیلی لاکھوں کی تعداد میں سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز، پبلک ٹرانسپورٹ میں استعمال ہونے والے گانے، ہمارے ٹیلیویژن کے پروگراموں میں، ڈراموں میں اور اس کے علاوہ تمام تفریحی پروگراموں میں بھارتی گانے، ڈرامے، فلمیں اور دیگر آڈیو اور ویڈیو ذرائع ابلاغ نے ہماری تہذیب وثقافت کو بہت بری طرح متاثر کیا ہے اور ہمارے میڈیا کے ذمہ داران اپنی تہذیب وثقافت کی نمائندگی کرنے کے بجائے بھارتی اور مغربی تہذیب وثقافت کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔

''۱۸۹۷ء میں سویزرلینڈ کے شہر "بال" میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں نے ہرنزل کی قیادت میں جمع ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ یہ منصوبہ انیس (۱۹) پروٹوکول کی صورت میں پوری دنیا کے سامنے آچکا ہے۔اس منصوبے کو یہودی دانشوروں کی دستاویز بھی کہتے ہیں۔اس پلان کی تیاری میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تمیس یہودی انجمنوں کے ذہین ترین ارکان نے حصہ لیا تھا۔انہوں نے جہاں یہ طے کیا تھا کہ تمام دنیا پر قبضہ کرنے کے لئے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے وہاں ہی اس دستاویز میں ذرائع ابلاغ کو بھی بنیادی اہمیت دی گئی تھی۔ بارہویں دستاویز میں صحافت کی غیر معمولی اہمیت، اسکی تاثیر وافادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا اہم درجہ رکھتے ہیں۔ہم میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی باگ کو اپنے قبضے میں رکھیں گے۔ہم اپنے دشمنوں کے قبضے میں کوئی ایسا موثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں اور نہ ہی ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہنچ سکے۔ہم ایسا قانون بنائیں گے کہ کسی ناشر اور پریس والے کے لیے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ پیشگی اجازت لیے بغیر کوئی چیز چھاپ سکے۔ ہمارے قبضہ وتصرف میں ایسے اخبارات ورسائل ہونگے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید وحمایت کریں گے، خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا انقلاب کی حامی، حتیٰ کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی واخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے اور جب مصلحت دیکھیں گے انہیں پرسکون کردیں گے۔اس کے لیے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے۔ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔'' [۲۶]

اس وقت پاکستانی میڈیا کے ذمہ داروں کو مسلم تہذیب وتمدن سے استفادہ کرنے اور مغربی اور بھارتی میڈیا

کی یلغار سے آنے والی نسلوں کو محفوظ کرنے کے لئے اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس مصنوعی تہذیب و تمدّن کے مقابلے میں ہمارے اعلیٰ خاندانی نظام، پاکیزہ معاشرت اور الہامی تہذیب تمدّن پیش کرنے کی ضرورت ہے لیکن ہمارے ذمہ داران خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور پانی سر سے گزرتا جا رہا ہے۔ اور آج ہمارا نوجوان طبقہ بشمول طلباء و طالبات جس کو ملک و قوم کی باگ ڈور سنبھالنی ہے ان کے کانوں میں موبائل فون پر بجتے گانے ہر وقت بد تہذیبی کا رس گھول رہے ہیں۔

پاکستانی ریڈیو اور ٹی وی پر بیشمار نئے چینلز اور ان سے نشر ہونے والے پروگراموں کا جائزہ لیا جائے تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہمارا میڈیا معاشرے کو کس سمت لے کر جا رہا ہے۔ کیونکہ کسی بھی معاشرے کی ترقی یا تنزلی کو دیکھنا ہو تو میڈیا کی ترجیحات سے بآسانی اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ فحش مواد کی ترسیل اسوقت پاکستان کے سماجی مسائل کے بگاڑ کی بڑی وجہ ہے۔ انٹرنیٹ پر لاکھوں فحش ویب سائیٹس موجود ہیں۔ جنہیں ہر انٹرنیٹ استعمال کرنے والا شخص بآسانی دیکھ سکتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی ایسا مواد نہیں بھی دیکھنا چاہتا تو اسے نیٹ پر موجود فحش اشتہارات کے ذریعے بار بار متوجہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ ایک سنجیدہ آدمی تو لوگوں کے سامنے نیٹ استعمال کرتے ہوئے بھی جھجکتا ہے کہ نیٹ پر موجود اشتہارات اس کی شخصیت کے بارے میں لوگوں کو شکوک و شبہات میں ڈال سکتے ہیں۔

لیکن حکومت کے ذمہ داران کی توجہ اس طرف نہیں جاتی کہ اس بے لگام میڈیا کے ذریعے ہمارے تہذیب و تمدّن پر کیا برے اثرات مرّتب ہو رہے ہیں۔ اور ایک بد اخلاق جنریشن پیدا کرنے کا ذریعہ بن رہا ہے اور یہ اخلاق سے عاری جنریشن ہمارے معاشرے کی بربادی کی علامت ہے۔ لہٰذا پاکستان میں میڈیا کے ذمہ داران کو میڈیا پر فلٹریشن کا بندوبست بلا تاخیر کرنا چاہیئے۔

میڈیا ماحول پر فوراً اثر انداز ہونے والا برق رفتار ہتھیار ہے۔ اص کے لیے کسی خاص جدوجہد کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ بچے، جوان، مرد، خواتین تمام اس کے اثرات کو فوراً قبول کرتے ہیں۔ میڈیا کے ماحول پر اثرات کا جائزہ لینے کے لیے چھوٹے بچوں کے آپس میں انداز گفتگو کا جائزہ لیا جائے تو بآسانی اندازہ ہو جائے گا کہ ہماری قوم کے نونہال جن پر ہمارے مستقبل کا دارومدار ہے ان پر مڈیا کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔ ٹی وی کے پروگرام دیکھنے کے بعد بچوں کی گفتگو میں وہی الفاظ زیادہ ملتے ہیں جو وہ ٹی وی پر سنتے اور دیکھتے ہیں اور ان الفاظ میں ہندی تہذیب و تمدّن کا پرچار عام ہوتا ہے۔ میڈیا کے متاثرین بچوں کو بازار سے کھلونے خریدنے ہوں تو وہ زیادہ تر جنگ و جدل والے کھلونوں، ریوالور اور کلاشنکوف کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور پھر ان کھلونا نما پستولوں کی نالی کا دوسروں کی کنپٹی پر رکھ کر ٹھشوں ٹھشوں کی آوازیں بھینکالتے ہیں۔ اور جو بچے میڈیا سے دور بھی ہوں تو وہ اپنے ہم عمر اور ہم مجلس بچوں سے سب کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ اور پھر یہی

عادات واطوار اپناتے ہیں۔اس طرح بچوں کی نفسیات پر میڈیا کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

واشنگٹن یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر ڈاکٹر کارل بٹس بچوں کے پروگراموں کے اثرات کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''فلموں، ٹی وی سیریز اور فرضی وافسانوی کہانیوں اور متحرک کارٹونوں پر مشتمل پروگرام دیکھنے کا اثر بچوں پر بہت بھیانک ہوتا ہے۔اس کا مطالبہ ہے کہ جوادارے ویڈیو گیمس اور متحرک کارٹون پروگرام تیار کرر ہے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ پہلے ان پر گراموں سے پیدا ہونے والے منفی اثرات اور مشکلات کا حل سوچیں اور یہ بتائیں کہ ان کے مضر اثرات کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے۔''۲۷

اسی طرح خواتین عموماً لباس کے معاملے میں انہی ملبوسات کو ترجیح دیتی ہیں جن کی تشہیر میڈیا پر ہوتی ہیں۔اسی طرح وہ نسل جو ابھی جوانی کی عمر میں داخل ہورہی ہوتی ہے وہ بھی میڈیا پر دکھائے جانے والے پروگراموں کو اپنانے میں تاخیر نہیں کرتی۔اس طرح اس دور میں ہر عمر کے افراد میڈیا سے براہ راست متاثر ہیں۔اس لیے یہ بات بالکل واضح ہے کہ میڈیا ماحول کے بنانے اور بگاڑنے کا براہ راست ذمہ دار ہے۔

میڈیا کے ماحول پر اثرات کے حوالے سے ممتاز ماہر تعلیم اشتیاق حسین قریشی صاحب اس طرح رقمطراز ہیں ''نظریہ پاکستان کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ ایک بامقصد ملّت وجود میں آئے جو دنیا میں ترقی کرے اور آخرت میں سرخرو ہو۔مسلمان اگراس لیے آزادی چاہتا ہے کہ وہ اپنے معین آئین کے مطابق زندگی گزارنے کی سہولیتں مہیا کرے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے ماحول کی درستی کی طرف متوجہ ہواور اس باب میں ماحول معاشرے کا ہی دوسرا نام ہے۔اگر یہ استدلال درست ہے تو تعلیم کے تمام وسائل اور ابلاغ عامہ کے تمام اداروں کو معاشرے کی درستی اور ضابطء اخلاق کی استواری کے لئے استعمال کرنا ضروری ہے۔ابلاغ عامہ کے اداروں کی تو اس وقت یہ کیفیت ہے کہ مثبت طور پر تو انہیں اسلام کی تبلیغ کی کیا توفیق ہوگی، اگر منفی طور پر ہی یہ ایسے پروگرام نشر کرنے چھوڑ دیں، جن سے اسلام اور پاکستان کی بیخ کنی ہوتی ہے تو بھی موجودہ حالت کے پیش نظر یہ نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوگی۔''۲۸

ہمارے معاشرے میں ملحدانہ افکار و نظریات اور مادہ پرستانہ طرزعمل کے اثرات جو اس سے قبل صرف طبقہ امراء تک محدود تھے۔اب ذرائع ابلاغ کے ذریعے نچلی سطح (Gross Root Level) تک پہنچ گئے ہیں جس کی وجہ سے مذہب سے دوری اور ذہنی اور فکری پسماندگی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔آج پاکستان کے ٹیلویژن پروگرام اس قابل نہیں کہ انہیں خاندان کے تمام افراد ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکیں۔اور ہمارا میڈیا ٹیلویژن پر بیہودہ پروگرام پیش کررہا ہے۔پاکستانی اخبارات کی شہ سُرخیاں کرپشن، اغوا، آبروریزی، چوری اور ڈاکہ زنی کی خبریں لگا کر سجائی جاتی ہیں جس سے بآسانی ہمارے معاشرے کا چہرہ نظر آتا ہے۔اور یہ سب کچھ باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے تحت ہورہا ہے۔

جیسا کہ پاکستان کے ایک دانشور اور مذہبی اسکالر پروفیسر احمد رفیق اختر میڈیا کے اس کردار کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں ''آج کے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ میڈیا کو Pamper کیا گیا ہے۔ میڈیا کو اس لئے Pamper کیا گیا ہے کہ یہ میڈیا Opinion float کرتا ہے مگر کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ تمام کا تمام میڈیا ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جو Money seekers ہیں۔ جو کسی قرآنی تفسیر کے فوراً بعد ایک دلکش Dance اور سرور انگیز گانا لگا دیتے ہیں تاکہ لوگ اس علمی و فکری بات کو سننے کے بعد آسانی سے بھول سکیں۔ تمام میڈیا کمرشل Aspects ملحوظ رکھتا ہے۔ اور جہاں میڈیا Money seekers کے ہاتھ میں ہو وہ آپکو Over all کسی شناخت کے پہلو تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ ان کا وقت مخصوص ہے وہ کسی بات کے پورا ہونے کا انتظار نہیں کرتے اور آجکل پورے کا پورا میڈیا Particular Secular Pattern پر چل رہا ہے۔ آپ کے میڈیا پر ایک کمزور عقائد کے مولوی صاحب کو بٹھا دیا جاتا ہے اور اس کے مقابل تین چار سیکولر دانشور جمع کر لیے جاتے ہیں پھر بات چیت کے آخر میں میڈیا کو وہ مظلوم مولوی اسلامی مفکر خود ہی یہ کہہ دیتا ہے کہ میں غلطی پر تھا۔ آپ لوگ سچ کہہ رہے ہیں یہ ایک جدید تیکنیک ہے جو میڈیا مذہب اور مذہبی تعلیمات کی Discussion کے لئے استعمال کرتا ہے۔'' ۲۹

اس مختصر تحقیقی جائزے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مغربی میڈیا کے سامنے صرف تجارتی مقاصد ہوتے ہیں، انکے نزدیک اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ مادی منافع ہی ان کے پیش نظر ہوتا ہے، ان مقاصد کے حصول کے لئے حرام و حلال کی تمیز بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی جائز و ناجائز کا کوئی معاملہ انہیں درپیش ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک مغربی مفکر ڈاکٹر الیکس کیرل اپنی عالمی شہرت کی حامل کتاب Man the Unknown میں لکھتا ہے ''موجودہ مغربی تہذیب و تمدن نے انسانی قدروں اور ان کی تمام خصوصیات کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ موجودہ مغربی تہذیب ہماری نفسیات سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کا وجود ہماری فطرت اور خصوصیات کو سمجھے بغیر عمل میں آیا ہے۔ اگر چہ ہماری جد و جہد ہی نے اس کو وجود بخشا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہماری حقیقی خواہشات اور فطری خصوصیات سے بیگانہ ہے۔'' ۳۰

پاکستانی میڈیا کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا چاہیئے اور اسے صرف تجارتی مقاصد کے تابع نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی بغیر تحقیق کے صرف افواہوں کی بنیاد پر فسق و فجور سے متعلقہ خبروں کی تشہیر کا ذریعہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ ہی سنسنی خیز اور جنسی جذبات سے متعلقہ خبروں کو اچھالنا اور انکی تشہیر اسکے پیش نظر ہو بلکہ اسلامی میڈیا کا بنیادی مقصد معاشرے کی اصلاح اور بہتری کے لیے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخلاقی اقدار کا تحفظ اور احیاء ہونا چاہیئے۔ پاکستانی میڈیا کی اصل ذمہ داری پاکستان کی سیاسی، نظریاتی، ثقافتی اور معاشرتی اقدار کی حفاظت اور انکے ابلاغ کی ذمہ داری ہے لیکن پاکستانی میڈیا مسلم تمدن کی نمائندگی کرنے کے بجائے سیاسی مناظروں، کریمینل رپورٹوں، رومانوی کرداروں میں الجھا ہوا نظر آتا ہے۔ پاکستانی

میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ثقافتی اہمیت کو اجاگر کریں تا کہ پاکستان میں مسلم تہذیب وتمدّن کو پروان چڑھا کر پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت اور نمائندگی کر سکے۔

پاکستانی میڈیا کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے میں مثبت اور تعمیری رجحانات کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کرے کیوں کہ ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل میڈیا کا فعال کردار وقت کی اہم ضرورت ہے۔ پاکستانی میڈیا کو چاہئے کہ اگر اس کو اسلام کے کسی معاملے کا جائزہ لینے کی ضرورت پڑے تو اس کے بنیادی مآخذ کا جائزہ لے جس سے حدود اللہ اور حقوق العبا کا واضح تعین ہوتا ہے نہ کہ کسی شخص کے سیاہ کرتوتوں کو اسلام کا لبادہ اوڑھا کر پیش کیا جائے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اسلام کو سمجھنے کے لیے اس کے پیروکاروں کے ذریعے سمجھنے کے بجائے اس کے بنیادی مآخذ سے سمجھا جائے اور اگر اسلام کو مثالی شخصیت سے پیش کرنا ہے تو پھر حضور ﷺ کی مثالی زندگی کو پیش کیا جائے۔ آپ ﷺ کی سیرت و کردار کو دیکھیں گے تو اسلام کی اصل روح اور نمونہ نظر آ جائے گا۔

اس مقالے میں ہم نے پاکستان میں ان وجوہات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے کہ جن کی وجہ سے پاکستان میں اسلام اور مغربیت کے درمیان کشمکش کی صورتحال کا سامنا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستانی قوم تمدّنی اور فکری لحاظ سے بھی دو مختلف جہتوں میں منقسم نظر آتی ہے۔ اس سے ایک طرف پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو خطرات لاحق ہیں اور دوسری طرف قومی یکجہتی بھی شدید متاثر ہو رہی ہے۔ جس کے اثرات پاکستان میں بالخصوص مسلم تہذیب وتمدّن پر اور عموماً پورے معاشرے پر کسی نہ کسی شکل میں مرتب ہو رہے ہیں۔

ہم نے اس اہم مسئلے پر میں یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ قیام پاکستان کا مقصد کیا تھا اور پھر پاکستان میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش کیوں اور کیسے شروع ہوئی اور پھر اس کشمکش کے دوران کن مسائل سے گزرنا پڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف قیام پاکستان کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں دشواریوں کا سامنا ہے۔ بلکہ اس کشمکش نے قیام پاکستان کے مقصد کو بھی دھندلا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان کا امیج دنیا کے سامنے ایک انتشار زدہ ریاست کا سا ہو کر رہ گیا ہے۔ اس مقالے میں ہم نے زیادہ طوالت سے بچنے کے لیے اپنے موضوع تحقیق کو صرف پاکستان کے نظریاتی، سیاسی اور تعلیمی حوالے تک ہی محدود رکھا ہے۔ اس کے علاوہ آخر میں پاکستانی میڈیا کے کردار اور اس کے معاشرے پر اثرات کے حوالے سے بھی مختصراً جائزہ پیش کیا گیا ہے اگرچہ یہ موضوع تفصیلی تحقیق کا متقاضی ہے لیکن اس کو صرف مشاہداتی تجزیے اور چند مفکرین کی آراء کی روشنی تک ہی محدود رکھتے ہوئے پاکستان میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش اور اسکے اثرات کے پھیلاؤ کا جائزہ لیتے ہوئے پیش آمدہ مسئلے کے بارے میں غور وفکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ ہماری یہ تحقیقی کاوش اصل مسئلے کو سمجھنے اور پھر اس کو حل کرنے کی طرف ایک مثبت پیش رفت ثابت ہوگی۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، دوقومی نظریہ اور پاکستان، (کراچی، ادارہ مسعودیہ۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، ۲۰۰۱ء)، ص ۱

۲۔اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام اور پاکستان، تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر، (لاہور، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، ۱۹۸۳ء)، ص۲۰

۳۔ محمد سرور، پروفیسر، تحریک پاکستان کا ایک باب، (لاہور، سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۸۷ء)، ص:۱۳

۴۔احمد سعید، گفتار قائداعظم، (اسلام آباد، قومی کمیشن برائے تحقیق، تاریخ وثقافت، پوسٹ بکس نمبر ۲۳۰، ۱۹۷۶)، ص۲۳۴، ۲۳۳

۵۔ایضاً، ص۱۶۳　　　۶۔ایضاً، ص۲۰۶

۷۔صفدر محمود، ڈاکٹر، پاکستان تاریخ وسیاست، (لاہور، جنگ پبلشرز پریس ۱۳، سر آغا خان روڈ، ۱۹۹۰ء)، ص:۴۵-۴۴

۸۔ ایم نذیر تشنہ، پروفیسر، تاریخ پاکستان، (جہلم، بک کارنر، شوروم، بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، ۲۰۱۳ء)، ص۱۸۶

۹۔ ایضاً، ص۲۳۲۔　　　۱۰۔ایضاً، ص۳۲۸۔　　　۱۱۔نمبر۴، گفتار قائداعظم، ص ۲۱۶۔

۱۲۔ارشاد احمد حقانی، اقبال اور قائد کا تصور ریاست، (لاہور، آگہی پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص۵۰۔

۱۳۔حمید رضا صدیقی، نظریہ پاکستان، پس منظر اور پیش منظر، (لاہور، کاروان ادب، فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، ۱۹۸۹ء)، ص۱۱

۱۴۔علامہ اقبال، ضرب کلیم، (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۹ء)، ص۱۵۴ ۔

۱۵۔ علامہ اقبال، بانگ درا، (لاہور، الفیصل تاجران وناشران کتب، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، س.ن)، ص۱۵۹ ۔

۱۶۔اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام اور پاکستان، (لاہور، مرکزی انجمن خدام القرآن، طبع سوم، ۱۹۸۳ء)، ص۴۱۔

۱۷۔سید نسیم تقی جعفری، پروفیسر، اسلام اور عصر حاضر، (لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص:۲۴۔

۱۸۔اشیاق حسین قریشی، ڈاکٹر، نظریہ پاکستان اور نصابی کتب، (لاہور، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، ۱۹۷۱ء)، ص۳۸۔

۱۹۔راغب نعمانی، مولانا، مترجم، مقدمہ ابن خلدون، (کراچی، نفیس اکیڈمی اردو بازار، حصہ اول، دسمبر ۲۰۰۱ء)، ص۳۱۶۔

۲۰۔سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش، (کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء)، ص۱۲۵۔

۲۱۔ایضاً، ص۲۶ ۔　　　۲۲۔ نظریہ پاکستان اور نصابی کتب، ص۲۹۔　　　۲۳۔ القرآن، النور (۲۴) آیت ۱۹۔

۲۴۔ نذر الحفیظ ندوی، مغربی میڈیا اور اسکے اثرات (کراچی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱، ۲۰۰۱ء)، ص۲۰

۲۵۔مبارک علی، ڈاکٹر، پاکسانی معاشرہ، (لاہور، تاریخ پبلیکیشنز، بک سٹریٹ ۳۹، مزنگ روڈ، ۲۰۱۲ء)، ص:۵۰۔

۲۶۔مغربی میڈیا اور اسکے اثرات، ص۹۳۔　　　۲۷۔ایضاً، ص۲۷۸۔　　　۲۸۔نظریہ پاکستان اور نصابی کتب، ص۳۹-۴۰۔

۲۹۔اسلام اور عصر حاضر، ص۲۶۔　　　۳۰۔ مغربی میڈیا اور اسکے اثرات، ص۳۷۰۔